عتیق احمد جیلانی:

"معارف" اور غالبیات

یوں تو "معارف" اعظم گڑھ کے مختلف شماروں میں علم و ادب، مذہب و تاریخ، نفسیات و سیاسیات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں قابلِ قدر لوازمہ موجود ہے اور صاحبانِ تحقیق و تنقید کو مسلسل دعوتِ فکر دے رہا ہے، لیکن اس مضمون میں ہمارے پیشِ نظر سرمایۂ غالبیات ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ "معارف" میں غالبیات پر شایع ہونے والی بیش تر تحریروں کا جائزہ پیش کردیں۔

رسالہ "معارف" کے سرمایۂ غالبیات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) غالب کی زندگی، شاعری اور ان کی تحریروں کے بارے میں تحقیقی لوازمہ۔

(ب) تلامذۂ غالب کا تذکرہ اور تحقیق۔

(ج) کلامِ غالب کا ناقدانہ جائزہ۔

(د) غالبیات کے ضمن میں شایع ہونے والی کتب پر تبصرہ اور تنقید۔

(الف)

(۱) معارف جلد ۳، شمارہ ۳ (ستمبر ۱۹۱۸ء) کے شذرات میں

سید سلیمان ندوی کے قلم سے یہ اطلاع ہے کہ بھوپال کے کتب خانۂ حمیدیہ میں مرزا غالب کا ایک قلمی دیوان بلا حذف انتخاب موجود ہے ۔لکھتے ہیں:

"ہمارے دوست مولانا عبدالسلام ندوی ، شعرالہند کی خاطر آج کل کتب خانوں کی خاک چھان رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں وہ بھوپال بھی پہنچے ، وہاں کے کتب خانۂ حمیدیہ میں انہیں ایک آن مول جواہر ملا ، یعنی مرزا غالب کا ایک مکمل اردو دیوان بلا حذف و انتخاب، جو موجودہ دیوان سے ضخامت میں دونا ہے ، نہایت عمدہ مطلا نسخہ ہے ۔ کسی خوش خط کے ہاتھ وہ پڑا تھا ، اس نے ان غزلوں کا مطبوعہ غزلوں سے مقابلہ کرکے اختلافِ نسخ بھی لکھ دیا ہے ۔

یہ نسخہ اب جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مشیر تعلیمات بھوپال کے مطالعے میں ہے ۔ موصوف آج کل دیوان غالب کی خدمت گذاری میں مصروف ہیں اور عنقریب ان کے نتائجِ فکر ترقیِ اردو کے ذریعے سے منظر عام پر آئیں گے ۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے التماس کیا ہے کہ اس نئے نسخے پر تقریظ لکھ کر وہ ناظرینِ معارف کے لیے مرحمت فرمائیں"۔ (ص ۱۱۶)

لیکن اس تحریر کے صرف دو ماہ بعد ہی ، نومبر ۱۹۱۸ء کو ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے بھوپال میں انتقال کیا اور نسخۂ

حمیدیہ پر تقریظ کا کام تشنۂ تکمیل ہی رہا۔۱

"کتب خانۂ حمیدیہ بھوپال" کے بارے میں "معارف" جلد ۳۸، شمارہ ٦ (دسمبر ١٩٣٦ء) میں ایک مقالہ شامل ہے۔ لیکن اس مقالے میں مذکورہ نسخے کا اجمالی تذکرہ ہے، تفصیلی تعارف نہیں۔ البتہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے مقالے "غالب، مدح و قدح کی روشنی میں" (مشمولہ معارف جلد ۱۰۳، شمارہ ۲ تا ۵) میں مطبوعہ نسخے کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔ مفتی انوارالحق کے مرتبہ اس نسخے پر تبصرہ کرتے ہوئے سید صباح الدین عبدالرحمٰن اس دیوان کی اشاعت کے جواز کا سوال اٹھاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"غالب نے جن اشعار کو منتشر اور پراگندہ سمجھ کر اپنے دیوان سے نکال دیا تھا اور ان کو ان کی طرف منسوب نہ کرنے کی التجا بھی کی تھی تو پھر ان کو ان کے کلام کے ساتھ شایع کرنا کہاں تک درست ہے؟ ممکن ہے کہ آگے چل کر اہلِ نظر اس کو یا تو ایک غلط قسم کی ذہنی عیاشی قرار دیں یا نہیں تو

۱۔ دیوانِ غالب نسخۂ حمیدیہ مرتبہ مفتی انوارالحق میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری بیرسٹر ایٹ لا کی تحریر کردہ جو تقریظ ہے، وہ انہوں نے دیوانِ غالب کے ایک نئے ایڈیشن کے لیے لکھی تھی جو انجمن ترقی اردو کی طرف سے شایع ہونے والا تھا۔ یہ ایڈیشن طبع نہ ہوسکا، لیکن یہ تحریر نسخۂ حمیدیہ میں منسلک کرکے محفوظ کردی گئی۔ (بحوالہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن: معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۰۳، شمارہ ۵، ص ۳۳۷)۔

کارِ بے کاراں"۔ ۱

بعد ازاں نسخۂ حمیدیہ مرتبہ مفتی انوارالحق سے غالب کے پچاس اشعار خود ان کی اصلاح کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ ان اصلاحوں کے ساتھ فاضل مقالہ نگار نے اپنی آراء کا اظہار بھی کیا ہے۔

(۲) "معارف" اعظم گڑھ کی جلد ۹ میں حافظ احمد علی خان ناظر کتب خانہ رام پور کا ایک مقالہ موجود ہے، جو غالب کی زندگی کے ایک اہم اور نازک پہلو کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ مقالے کا عنوان ہے: "سراج الدین ظفر شاہ دہلی اور مرزا غالب کی زندگی کا ایک گم شدہ ورق"۔ یہ مضمون دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اپریل ۱۹۲۲ء کے شمارے کی زینت ہے اور دوسرا حصہ، مئی ۱۹۲۲ء کے "معارف" میں شامل ہے۔ مقالے کی ابتدا میں حافظ احمد علی خان موضوع کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رام پور کے کتب خانے میں 'دستورالعمل اودھ' کے نام سے نمبر ۲۲۹ پر کتاب ہے۔ اس میں سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب مجتہد لکھنوی کے عرائض اور شاہی احکام اور مختلف خطوط نقل ہیں۔ ان خطوط کی سطروں میں سراج الدین ظفر شاہ اور مرزا غالب کی زندگی کے ایک خاص واقعے پر روشنی پڑتی ہے۔ دلی کے انحطاط اور لکھنؤ کے عروج کے زمانے کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ خاندان تیموری کے چند شہزادوں نے لکھنؤ آکر یہ مشہور کیا کہ بادشاہ بھی شیعہ ہوگئے

۱۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن: غالب مدح و قدح کی روشنی میں، معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۰۳، شمارہ ۵، ص ۳۲۵۔

هیں، اور بادشاہ کی طرف مہری شقہ بھی انہوں نے پیش
کیا۔ دھلی کے اکابر و اعیان اور عام مسلمانوں کو جب
یہ معلوم ہوا تو وہاں ایک ھنگامہ برپا ہوگیا۔ ظفر شاہ
نے حکام انگریزی کے ذریعے سے اس کی اعلانیہ تردید
کی اور غالب سے ایک فارسی مثنوی لکھوائی، جس میں
اس کی تردید تھی۔ لکھنؤ کے اہل دربار کو یہ معلوم
ہوگیا تھا کہ اس مثنوی کا مصنف اقلیمِ ہنر کا معزول
بادشاہ ظفر نہیں بلکہ کشورِ سخن کا حکمرانِ مطلق
غالب ہے۔ اس کے بعد غالب نے اپنا ایک قصیدہ
دربارِ لکھنؤ میں بھیجا۔ یہ گویا اس مثنوی کی تلافی
تھی"۔ ۱

یہ سارے واقعات ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۳ء میں رونما ہوئے۔
زیر نظر مقالے میں حافظ احمد علی خاں نے "دستورالعمل اودھ" کے
حوالے سے تمام خطوط زمانی ترتیب کے ساتھ یکجا کردیے ہیں۔ اس
مضمون میں مذکورہ خطوط کی اصل فارسی عبارت کے ساتھ اردو
ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے۔ مضمون کے دوسرے حصے میں غالب
کے ایک قصیدے کا ذکر ہے جو مذکورہ واقعے کے تقریباً نو ماہ بعد
۱۸۵۴ء میں، بتوسط مجتہد العصر ۲، واجد علی شاہ کو روانہ کیا گیا۔

۱۔ "معارف" اعظم گڑھ، جلد ۹، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۲۲ء، ص ۲۷۹۔

۲۔ سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد العصر، مولانا دلدار علی
مجتہد العصر (۱۷۵۳-۱۸۲۰ء) کے بیٹے تھے۔ اودھ میں
مملکت کے تمام شرعی اور مذہبی امور آپ کی رائے سے طے
پاتے تھے۔ وہ اپنا اثر و رسوخ شیعہ مذہب (بقایا ص ۲۲۲ پر)

حافظ احمد علی خاں کا یہ مضمون اس خط کتابت کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں کرتا ، لیکن ان خطوط کے مطالعے سے چند سوالات ضرور ابھرتے ہیں جن پر گفتگو کے لیے ایک علاحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ وہ سوالات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

● — بہادر شاہ ظفر کی شیعیت کا معاملہ حقیقت پر مبنی تھا یا تیموری شہزادوں ۱ کی ذہنی اختراع ۔

(بقیہ ص ۱۲۱ سے)

کی اشاعت و تقویت کے لیے استعمال کرتے تھے ۔ اس خاندان کے ساتھ غالب کے خاص مراسم تھے ۔ "آپ کی وفات ۲۳ جولائی ۱۸۶۷ء کو ہوئی اور خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ (بحوالہ شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۶۲۲-) سید محمد ۱۷- صفر ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۲۲- ربیع الاول ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) کو لکھنؤ ھی میں انتقال کیا۔ انھوں نے ایک اندازے کے مطابق پچاس سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ (بحوالہ عبدالرؤف عروج : بزم غالب ، کراچی ، ادارہ یادگار غالب، مارچ ۱۹۶۹ء ، ص ۲۰۷)۔ شاہ غلام یحییٰ عظیم آبادی (م ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء) نے "کنزالتواریخ" میں مجتہد العصر کی تاریخ وفات لکھی ہے : بود آہا عالمِ ذی اجتہاد = ۱۲۸۴ھ۔ (بحوالہ خدا بخش لائبریری جنرل ، پٹنہ ، نمبر ۲۰، ۱۹۸۲ء)۔

۱۔ اکبر شاہ کے چھوٹے بھائی ، مرزا سلیمان شکوہ کے پوتے مرزا حیدر شکوہ اور مرزا نورالدین بہادر۔ حالی نے "یادگارِ غالب" میں سہواً مرزا حیدر شکوہ کو مرزا سلیمان شکوہ کا بیٹا اور اکبر شاہ کا بھتیجا لکھا ہے۔

- کیا بہادر شاہ ظفر نے کسی دباؤ کے بغیر، از خود تردید کی ضرورت محسوس کی؟
- خاندانِ تیموری اور شاہانِ اودھ سے غالب کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟
- اگر یہ مثنوی، غالب نے اپنی رضا سے تحریر کی تھی تو پھر عذرخواہی اور تلافی چہ معنی؟
- بادشاہ کی شیعیت کی تردید میں مثنوی غالب نے کیوں لکھی؟

(۳) "معارف" جلد ۱۰، شمارہ ٦ (دسمبر ۱۹۲۲ء) میں "آثار علمیہ ادبیہ" کے تحت غالب کا ایک منظوم رقعہ اور اس کا جواب شایع کیا گیا ہے۔۲ مرزا اسداللہ خان غالب نے یہ خط نواب علاءالدین خان علائی والی لوہارو کے نام تحریر کیا اور نواب صاحب نے بھی اس کا منظوم جواب ارسال کیا۔ "معارف" کے لیے مذکورہ خطوط ضیاء الدین خان رام پوری نے نواب علاءالدین خان علائی کے خلف الرشید نواب مرزا بشیرالدین احمد خان سے حاصل کیے۔

غالب اپنے منظوم خط میں نواب صاحب کی دعوت کے جواب میں عذر کرتے ہیں کہ وہاں آم کہاں ملیں گے۔ جواب میں نواب

۱۔ حالی نے "یادگارِ غالب" میں اس مثنوی کا نام "دمغ الباطل" لکھا ہے، مگر یہ نام شیخ امام بخش صہبائی کی مثنوی کا ہے۔ غالب کی اس مثنوی کا غالباً کوئی نام نہیں۔ (بحوالہ ڈاکٹر وحید قریشی: نذرِ غالب، بار دوم، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۰ء، ص ۲۷۵)۔

۲۔ یہی منظوم مکتوب جناب خلیق انجم نے اپنی کتاب "غالب کی نادر تحریریں" ص ۸۵ پر بھی شایع کیا ہے۔

صاحب تسلی دیتے ہیں کہ وہاں ہر فرمائش پوری کی جائے گی۔ غالب اور نواب علائی کے خطوط میں دو دو قطعات ہیں، ایک اردو، دوسرا فارسی۔ دونوں خطوط میں یکساں بحر و قافیہ استعمال کیا گیا ہے۔ "معارف" کے ذریعے یہ دلچسپ خط کتابت پہلی بار منظر عام پر آئی۔

(۴) "معارف" جلد ۱۷، شمارہ ۵ (مئی ۱۹۲۶ء) میں شمس العلماء حافظ نذیر احمد کا ایک مضمون بعنوان "مرزا غالب کے بچپن کی ایک تحریر" شایع ہوا ہے۔ مذکورہ مضمون کے مطابق "یہ تحریر مولانا حبیب الرحمان شیروانی کے کتب خانہ حبیب گنج (علی گڑھ) میں محفوظ ہے۔ یہ ایک قسم کی دستاویز ہے، جس کو ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں غالب مرحوم نے خداداد خان ولی داد خان کے پاس اپنا مکان گروی رکھ کر جو روپیہ لیا تھا، اس کے عوض میں لکھ کر ان کے حوالے کیا"۔

"معارف" میں اس نودریافت تحریر کی اشاعت کے بعد صاحبان تحقیق نے اس طرف توجہ کی، خصوصاً ڈاکٹر مختارالدین آرزو اور مالک رام نے اپنا موقف پیش کیا۔۱ ان سے پہلے "زمانہ" کان پور، جولائی ۱۹۳۶ء کے شمارے میں بھی اس تحریر پر ایک تعارفی مضمون شایع کیا گیا۔

"زمانہ" کے مضمون نگار "علم دوست" نے سہر غالب پر مندرج تاریخ ۱۲۳۱ھ بتائی ہے، جس کی تصدیق مالک رام کے بیان سے

۱۔ ڈاکٹر مختارالدین آرزو نے "ہمایوں" لاہور، جنوری ۱۹۵۳ء میں اظہار رائے کیا ہے (بحوالہ: اشاریۂ غالب از سید معین الرحمان لاہور، ۱۹۶۹ء) مالک رام کا مقالہ "فسانۂ غالب" میں شامل ہے۔

بھی ہوتی ہے، جنھوں نے یہ تحریر آزاد لائبریری علی گڑھ کے ذخیرۂ حبیب گنج میں دیکھی تھی۔ ڈاکٹر مختارالدین آرزو کا مقالہ ہماری نظر سے نہیں گذرا، البتہ مالک رام نے اپنے مضمون "ایک فارسی خط کی تاریخ"[۱] میں اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ تحریر ۱۸۳۰ء کی ہے۔

"معارف" میں شایع شدہ مقالے کی اہمیت اس قدر ضرور ہے کہ اس کے توسط سے ہم غالب کی ایک نو دریافت تحریر سے آشنا ہوئے اور اسی خط کے ذریعے پہلی مرتبہ ان کی والدہ کے نام کا انکشاف ہوا۔[۲] مگر مہر غالب پر مندرج ھجری تاریخ کی غلط خواندگی نے کافی عرصے تک ایک غلط فہمی کو باقی رکھا۔ مہر غالب کی تاریخ ۱۲۳۱ھ سے یہ بات بہرحال طے ہوجاتی ہے کہ یہ تحریر ۱۸۱۵ء یا ۱۸۱۶ء سے قبل کی ہرگز نہیں۔

(۵) "معارف" جلد ۱۹، شمارہ ۳ (مارچ ۱۹۲۷ء) میں مولوی ضیاء الدین احمد برنی کا ایک مضمون ہے "غالب و صہبائی کے خطوط"[۳] اس مضمون میں مختصر تمہید اور تعارف کے ساتھ دو خط پیش کیے گئے ہیں۔ ایک خط مرزا اسداللہ خان غالب کا ہے اور دوسرا خط امام بخش صہبائی کا۔ دونوں کے مکتوب الیہ خان بہادر شمس العلماء

۱۔ فسانۂ غالب، لاہور، مکتبہ شعر و ادب، سنہ ندارد۔

۲۔ مولانا غلام رسول مہر اور مالک رام وغیرہ نے اسی تحریر کے حوالے سے غالب کی والدہ کا نام عزت النساء بیگم لکھا ہے۔

۳۔ اردو نامہ، کراچی، شمارہ ۱۶، ۱۹۶۴ء، صفحہ ۳۸ پر جناب تحسین سروری نے انھیں خطوط کا تعارف پیش کیا ہے۔

مولوی ضیاء الدین خاں ایل ایل ڈی ۱ ہیں۔ صاحب مضمون کو یہ خطوط ضیاء الدین خاں کے صاحب زادے مولوی سید منورالدین سے حاصل ہوئے۔

اس خط میں غالب نے نہایت اختصار کے ساتھ عربی اور فارسی زبان کی وسعت کا موازنہ کیا ہے اور عربی کے درجے کو فائق تسلیم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"... علم کو زبانِ عربی میں منحصر جانتا ہوں، اللہ اللہ علمِ عربی کی وسعت! صرف و نحو، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ پانچ سات برس تک آدمی اس کو تحصیل کرسکتا ہے .... فارسی زبان بعد تباہ ہونے یزد جرد کی سلطنت کے مٹتی گئی یہاں تک کہ بقدر ایک بولی کے رہ گئی"۔۲

صاحب مضمون کے بقول اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ لیکن مکتوب کے آخر میں غالب لکھتے ہیں "ایک مجلد درفش کاویانی نذر کرتا ہوں"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ مکتوب

۱۔ "مولوی ضیاء الدین خاں، اپنے زمانے کے زبردست مستشرق تھے اور ریاضی کی جملہ فروع میں یکتائے زمانہ تھے۔ ان کی عربی کی قابلیت کا اہل عرب پر بھی سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی نے انہیں ایل ایل ڈی کی ڈگری عطا کی"۔ (بحوالہ ضیاء الدین برنی: معارف، جلد ۱۹، شمارہ ۳، صفحہ ۲۱۱)۔

۲۔ معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۹، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۲۷ء، صفحہ ۲۱۱۔

دسمبر ۱۸۶۵ء کے بعد کا ہے۔[۱] مولانا غلام رسول مہر کے مرتبہ مجموعے میں یہ خط شامل نہیں ہے، البتہ دوسرے دو خطوط موجود ہیں۔ ایک خط پر تاریخ درج نہیں ہے اور دوسرے پر ۲۷ فروری ۱۸۶۶ء مندرج ہے۔ پہلے خط کے مندرجات زیرِ نظر مکتوب سے مماثل ہیں۔ ان دونوں خطوں کا پس منظر "برہان قاطع" کا قضیہ ہے۔

(۶) "معارف" جلد ۲۹، شمارہ ۳ (مارچ ۱۹۳۲ء) میں ایک مقالہ ہے بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانے کے چند فارسی مخطوطات" یہ مضمون پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز نے انگریزی رسالے "رائل ایشیاٹک سوسائٹی" بمبئی میں جنوری ۱۹۲۸ء میں شایع کیا تھا۔ "معارف" کے لیے اس مضمون کا ترجمہ محمد علی نے فرمایا۔

اس مقالے کے مطابق کتب خانۂ بمبئی یونیورسٹی میں (نمبر ۵، جلد ۳م) گجرات کے ریختہ گویوں کا ایک فارسی تذکرہ "مخزن الشعرء" ہے۔ اسے قاضی نورالدین بن قاضی سید احمد حسین رضوی فائق نے لکھا ہے۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱-۵۲ء) میں تکمیل کے بعد یہ تذکرہ تصیح کی غرض سے مرزا اسداللہ خان غالب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ان کی رائے تذکرے کے صفحۂ آخر کے حاشیے پر نقل کی گئی ہے۔ غالب کی رائے سے پہلے یہ عبارت درج ہے: "عبارتی کہ جناب مرزا اسداللہ خان صاحب بعد مطالعۂ این اوراق و اصلاحِ آن تحریر فرمود برائے یادگار تحریر نمود"۔

۱۔ "درفش کاویانی" دراصل "قاطع برہان" کا اضافہ شدہ ایڈیشن تھا۔ اس کی اولین طباعت دسمبر ۱۸۶۵ء میں اکمل المطابع، دھلی سے ہوئی۔ (بحوالہ سید معین الرحمان: اشاریۂ غالب، لاہور، ادارہ یادگار غالب، ۱۹۶۹ء)۔

غالب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تذکرے کے اوراق ان تک مرزا شہاب‌الدین خان بہادر کی وساطت سے پہنچے۔ انھوں نے بعض جگہ عبارت کی اصلاح بھی کی، مگر اظہار خاکساری کے طور پر یہ بھی لکھ دیا کہ "مجھ کو یہ پایہ نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل دوں" اس کے ساتھ ہی مرحبا و آفرین سے بھی نوازا ہے۔ آخر میں دو شنبہ، جولائی ۱۸۶۲ء کی تاریخ درج کی ہے۔

(۷) "معارف" جلد ۷۷، شمارہ ۳ (مارچ ۱۹۵۶) میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کا مقالہ بعنوان "خوب چند ذکا اور مرزا غالب" شایع ہوا ہے۔ مضمون نگار کے پیش نظر خوب چند ذکا کے تذکرے "عیارالشعراء" کا وہ نسخہ ہے جو انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے تو داخلی اور خارجی شواہد کی مدد سے "عیارالشعراء" کا زمانۂ تصنیف ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ء) اور ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۱ء) کے درمیان قرار دیا ہے اور پھر غالب کے ترجمے سے بحث کی ہے۔ انھوں نے ترجمے کی عبارت سے دو نتائج اخذ کیے ہیں۔ اوّل یہ کہ "عیارالشعراء" کی تالیف کے وقت غالب آگرہ ہی میں تھے۔ دوم یہ کہ ذکا نے جو اشعار نمونہ" دیے ہیں وہ بھی آگرہ ہی کے ہیں۔ ان میں سے چار اشعار ایسے ہیں جو نسخۂ حمیدیہ اور دیگر مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ مقالے کے آخر میں نمونے کے اشعار مذکورہ تذکرے سے نقل کرکے دیگر دواوین سے اختلاف کی نشان دہی کی گئی ہے۔

(۸) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد فرنگی سرکار کی طرف سے غالب پر "باغیوں" سے مخلصانہ تعلقات رکھنے کا الزام عائد کیا گیا اور کہا گیا کہ انھوں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر کی شہنشاہی کے اعلان پر ایک سکۂ شعر کہا تھا۔ اس مسئلے

پر خواجہ احمد فاروقی اور مالک رام کے دو دو مقالے "معارف" کی مختلف اشاعتوں کے ذریعے منظر عام پر آئے اور بعد ازاں دیگر رسائل میں بھی شایع ہوئے۔ ان مقالات کی ترتیب کچھ یوں ہے:

۱- "غالب کا سکۂ شعر" از خواجہ احمد فاروقی، "معارف" جلد ۸۱، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۵۸ء-۱

۲- "غالب پر سکے کا الزام اور اس کی حقیقت" از مالک رام "معارف" جلد ۸۲، شمارہ ۲، فروری ۱۹۵۹ء-۲

۳- "غالب کا سکۂ شعر۔ محاکمہ" از خواجہ احمد فاروقی، "معارف" جلد ۸۳، شمارہ ۵، مئی ۱۹۵۹ء-

۴- "غالب سے منسوب دوسرا سکہ اور اس کی حقیقت" از مالک رام، "معارف" جلد ۸۴، شمارہ ۲، اگست ۱۹۵۹ء-۳

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے مقالے "غالب کا سکۂ شعر" سے اس بحث کا آغاز ہوا۔ انھوں نے سب سے پہلے غالب کے ایک مکتوب بنام حسین مرزا (موقوعہ ۱۸ جون ۱۸۵۹ء) سے اقتباس نقل کیا ہے، جس میں غالب لکھتے ہیں کہ انگریزی سرکار کی طرف سے، ایک جاسوس گوری شنکر یا گوری دیال کی مخبری پر، یہ الزام عائد کیا

۱- یہ مضمون "صحیفہ" لاهور، غالب نمبر حصہ اول، جنوری ۱۹۶۹ء میں بھی موجود ہے۔

۲- یہ مضمون "فسانۂ غالب" از مالک رام کے علاوہ رسالہ "هندوستانی ادب" حیدرآباد دکن، غالب نمبر ۱۹۶۹ء میں بھی شایع ہوچکا ہے۔

۳- یہ مضمون "فسانۂ غالب" از مالک رام میں بھی شامل ہے۔

گیا ہے کہ میں نے درج ذیل سکۂ شعر بادشاہ کے حضور گزرانا۔ ۱

بہ زر زد سکۂ کشورستانی
سراج الدین بہادر شاہ ثانی

اس دوران غالب کو معلوم ہوا کہ جلوس بہادر شاہ (اکتوبر ۱۸۳۷ء یا ۱۸۳۸ء) کے موقعے پر یہ سکہ ذوق نے پیش کیا تھا اور اس امر کی اطلاع "دہلی اردو اخبار" میں شایع ہوئی تھی۔ یہ بات معلوم ہونے کے بعد غالب نے اس اخبار کی تلاش میں اپنے احباب کو خطوط روانہ کیے۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے زیر نظر مقالے میں، چودھری عبدالغفور سرور اور یوسف مرزا کے نام غالب کے خطوط نقل کیے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار کی رائے میں جو سکہ غالب کے نام سے مشہور ہوا، وہ درحقیقت ان کا نہیں تھا اور اس ضمن میں ان کا اضطراب درست تھا۔ معین‌الدین حسن خان کی تصنیف " خدنگ غدر" اور جیون لال کے روز نامچے میں درج حقائق سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ غالب نے سکہ ضرور کہا تھا، مگر اصل سکہ یہ تھا:

بر زرِ آفتاب و نقرۂ ماہ
سکہ زد در جہاں بہادر شاہ

بقول ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی "یہ شعر پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا مصنف غالب کے سوا دوسرا نہیں"۔

اس مضمون کی اشاعت کے تین ماہ بعد فروری ۱۹۵۹ء کے

۱۔ مالک رام نے فارن جنرل، فروری ۱۸۶۶ء کے حوالے سے مخبر کا نام گوری شنکر تحریر کیا ہے۔ (فسانۂ غالب، لاہور، مکتبہ شعر و ادب، سنہ ندارد، ص ۱۲۹)۔

"معارف" جناب مالک رام کا مقالہ "غالب پر سکے کا الزام اور اس کی حقیقت" شایع ہوا۔ ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ گوری شنکر نے جو سکہ غالب سے منسوب کیا تھا اور جسے غالب، ذوق سے متعلق جانتے تھے، وہ درحقیقت ذوق کے شاگرد حافظ غلام رسول ویران کا نتیجۂ فکر تھا۔ غالب اس الزام کی تردید کے لیے "دھلی اردو اخبار" کے متلاشی رہے، مگر یہ سکۂ شعر "صادق الاخبار" دھلی ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ کے صفحہ اول پر شایع ہوا تھا۔

جناب مالک رام کی تحقیق سے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ گوری شنکر کا بیان کردہ سکۂ شعر غالب کا نہیں ہے۔ اس مقالے کے آغاز میں ادارۂ "معارف" کی طرف سے چند وضاحتی سطور درج ہیں کہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صریح شہادت نہ ہونے کے سبب کسی یقینی نتیجے پر نہ پہنچ سکے اور اب جناب مالک رام نے اس معمے کا حل پیش فرمایا ہے۔

"معارف" کی اس "وضاحت" کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے مئی ۱۹۵۱ء کے "معارف" میں ایک اور مقالہ تحریر کیا ہے۔ مذکورہ مقالے میں انہوں نے ایک مرتبہ پھر اس بات پر زور دیا ہے کہ حافظ ویران والے سکہ شعر کے بارے میں ان کا موقف مالک رام کی رائے سے متصادم نہیں۔ مگر وہ غالب کو سکے کے الزام سے کلیۃً بری نہیں سمجھتے، ان کے خیال میں درج ذیل سکۂ شعر لازماً غالب کا کہا ہوا ہے:

بر زرِ آفتاب و نقرۂ ماہ
سکہ زد درجہاں بہادرشاہ

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے اس مضمون کی اشاعت کے تین

ماہ بعد اگست ۱۹۵۹ء کے " معارف " میں جناب مالک رام کا ایک اور مقالہ بعنوان "غالب سے منسوب دوسرا سکہ اور اس کی حقیقت" شایع ہوا ۔ اس مقالے میں انہوں نے دوسرے سکے کے راوی منشی جیون لال کو ناقابل اعتبار ثابت کیا ہے اور مذکورہ سکے کے ضمن میں ان کے بیان کی صحت سے بھی انکار کیا ہے ۔

مالک رام کے اس مقالے پر سکۂ شعر کی بحث کا اختتام ہوجاتا ہے ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آج سے تیس برس قبل "معارف" نے جس بحث کو شروع کیا اور آگے بڑھایا وہ آج بھی اسی مقام پر ہے ۔ دیگر رسائل نے ان مضامین کی مکرر اشاعت ضرور کی ہے مگر کوئی تازہ پیش رفت نہیں ہوئی ۔

(ب)

(۱) "معارف" جلد ۹ ، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۲۲ء میں مولوی عبدالماجد بی اے کا ایک مقالہ بعنوان " مرزا غالب کا ایک فرنگی شاگرد ، آزاد فرانسیسی" شایع ہوا ہے ۔ اس مقالے میں مولوی عبدالماجد دریابادی نے ایک معروف یوروپی اردو شاعر الک زاندر ھدرلے آزاد (Alexander Heatherly Azad) کا تعارف ان کے مطبوعہ دیوان کے حوالے سے کرایا ہے ۔ ان کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق یہ نسخہ رام پور کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہے ۔

اس مضمون کی اشاعت سے قبل آزاد کا ذکر خطوط غالب کے علاوہ محض چند کتابوں یا تذکروں میں ملتا ہے ، جو حسب ذیل ہیں : قطعۂ منتخب ، ارمغان گوکل پرشاد ، بیاض سخن ، خمِ خانۂ جاوید ، سخن شعراء اور دھلی کا ایک یادگار مشاعرہ ۔

ان تمام کتابوں یا تذکروں کے مصنفین میں سے صاحب "خم خانۂ

جاوید" ھی وہ واحد تذکرہ نگار ھیں جنھوں نے آزاد کی شخصیت اور ان کے دیوان پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ھے۔ ان کی پیش کردہ بیشتر معلومات کا ماخذ منشی شوکت علی فتحپوری کا تحریر کردہ دیباچہ دیوانِ آزاد ھے۔ مولوی عبدالماجد دریابادی نے اپنے مضمون کی ترتیب میں، لالہ سری رام صاحبِ خم خانۂ جاوید، منشی میر شوکت علی فتح پوری اور آزاد کے بڑے بھائی طامس ھدرلے ڈپٹی کلکٹر ریاست بھرت پور کے مطبوعہ بیانات کو پیش نظر رکھا ھے۔

زیر نظر مقالے میں آزاد کو فرانسیسی الاصل ظاھر کیا گیا ھے۔ آزاد کے دیوان سے اس قسم کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ البتہ لالہ سری رام نے انھیں ایک فرانسیسی خاندان کا رکن قرار دیا ھے۔۱ زیرنظر مضمون میں انھیں کی پیروی کی گئی ھے، لیکن رام بابو سکسینہ ۲ اس خیال کی تردید کرتے ھیں۔ ان کے بیان میں شبہے کی گنجائش نہیں کیوں کہ اس سلسلے میں انھوں نے ھدرلے خاندان کے بعض افراد سے خود ملاقات کی تھی اور ان کی خاندانی دستاویزات سے بھی استفادہ کیا تھا۔ بعد کے محققین ڈاکٹر اسلم فرخی، ۳ نثاراحمد فاروقی ۴ اور شفقت رضوی ۵ بھی سکسینہ کی رائے کو فائق جانتے ھیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے الک زاندر ھدرلے آزاد کو شاگرد غالب کے طور پر پیش کیا ھے لیکن غالب کے معروف محقق مالک رام

۱۔ لالہ سری رام: "خم خانۂ جاوید"، بار اول، لاھور، مطبع نول کشور، ۱۹۰۸ء، ص ۲۷۔

2. European and Indo-European poets of Urdu and Persian, Lahore, Book Traders, p. 70.

۳۔ بحوالہ قومی زبان، اپریل ۱۹۸۷ء۔

۴۔ بحوالہ نقوش، دسمبر ۱۹۵۹ء۔

۵۔ بحوالہ "یوروپیئن شعرائے اردو"۔

نے اپنی کتاب تلامذۂ غالب میں الک زاندر ھدرلے کا ذکر نہیں کیا۔ اس طرح آزاد کا شاگرد غالب ھونا مشتبہ ھوجاتا ھے۔ لیکن دوسری طرف جب ھم آزاد کے قریبی دوست منشی میر شوکت علی فتح پوری کے بیان اور غالب و آزاد کے تعلقات پر نگاہ ڈالتے ھیں تو انھیں شاگرد غالب تسلیم کرنا ھی پڑتا ھے۔ اس سلسلے میں چند نکات قابل غور ھیں:

● — الک زانـدر آزاد، غالب کے شاگرد اور عزیز، نواب زین العابدین عارف کے شاگرد تھے۔ آزاد اور عارف کے درمیان شاگردی و استادی کا تعلق ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۲ء تک قائم رہا۔ عارف کی وفات (۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء)۱ کے وقت آزاد کی عمر (پیدائش ۱۸۲۹ء)۲ تقریباً بائیس سال بنتی ھے اور عارف کی شاگردی کا عرصہ صرف ساڑھے تین یا چار سال۔ ظاھر ھے کہ بائیس سال کی عمر کا نوجوان، اس مختصر عرصے میں اصلاح سے بےنیاز نہیں ھوسکتا۔ اس لیے گمان غالب یہی ھے کہ آزاد نے عارف کی وفات کے بعد ضرور کسی نہ کسی سے مشورۂ سخن لیا ھوگا۔

● — غالب کے کسی خط سے اگرچہ اس ضمن میں کوئی اشارہ نہیں ملتا، لیکن آزاد کے بارے میں غالب کے چند جملے ھی یہ ظاھر کرنے کے لیے کافی ھیں کہ دونوں

۱- "ارمغان گوکل پرشاد"، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۵ء، ص ۸-

۲- معارف، اعظم گڑھ، جلد ۹، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۲۲-

کے درمیان مخلصانہ تعلقات موجود تھے - آزاد کی وفات پر میر مہدی مجروح کے نام خط میں غالب لکھتے ہیں : " الک زاندر ھدر لی مشتہر بہ الک صاحب مرگیا - واقعی بے تکلف وہ میرا عزیز اور ترقی خواہ اور راج میں اور مجھ میں متوسط تھا"۔۱

عارف کی وفات کے بعد غالب سے آزاد کے تعلقات کی شہادتیں موجود ہیں اور دوسری طرف کسی اور کا نام بطور آستاد آزاد بھی سامنے نہیں آتا - اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ آزاد نے غالب سے ضرور رہ نمائی طلب کی ہوگی -

کلام آزاد کے مرتب اور آزاد کے دوست منشی میر شوکت علی فتح پوری کے بیان کو اس وقت تک رد نہیں کیا جاسکتا جب تک کوئی مؤثر معاصر شہادت سامنے نہ آجائے -

۲ - تلامذۂ غالب کے سلسلے میں ایک اور اہم مضمون "معارف" جلد ۱۰۳ ، شمارہ ۲ (فروری ۱۹۶۹ء) میں شایع ہوا ہے - "بریلی میں غالب کے تلامذہ" کے عنوان سے یہ مقالہ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کی تحقیق کا نتیجہ ہے - اس مقالے کے مطابق " پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے آس پاس کے زمانے میں بریلی کی شاعری خاص طور پر دو خاندانوں سے وابستہ تھی - ایک خاندان نوابینِ روھیلہ کا تھا اور دوسرا خاندان مفتیان کا تھا ..... نوابینِ روھیلہ ، اساتذۂ لکھنؤ سے زیادہ متاثر تھے ..... خاندانِ مفتیان کے محتشم شعرائے غالب کے شاگرد ہوئے "

اِس مقالے میں غالب کے چھے بریلوی تلامذہ کا احوال مندرج

۱- غالب: "اردوے معلیٰ"، لاھور شیخ مبارک علی اینڈ سنز، سنہ ندارد ، ص ۱۳۹ -

ہے، جن میں سے چار کا تعلق خاندانِ مفتیان سے ہے۔ ان شاگردان غالب کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔ مفتی سلطان خاں احسن۔
۲۔ مفتی سید احمد خاں سید۔
۳۔ قاضی عبدالجمیل جنوں۔
۔ قاضی عبدالرحمٰن وحشی۔
۵۔ غلام بسم اللہ بسمل۔
۶۔ محمد حسین حاجب۔

اِن تلامذۂ غالب میں سے اولین چار اصحاب کا تعلق خاندانِ مفتیان سے ہے۔۱ جبکہ غلام بسم اللہ بسمل بھی اس خاندان سے نزدیکی تعلق رکھتے تھے اور مفتی سلطان حسن خاں احسن کے یہاں اُن کی بڑی عزت تھی۔

ڈاکٹر سید لطف حسین نے اِس تذکرے کی ترتیب میں خطوطِ غالب، یادگارِ محو، تلامذہ غالب از مالک رام، گلدستہ نہال سخن بریلی اور دیگر ماخذات کے ساتھ ساتھ مفتی عمادالحسن محو کے صاحب زادے، صابر حسن شیوا بریلوی کے مکاتیب سے بھی مدد لی ہے۔ اس طرح یہ مضمون اپنے موضوع پر ایک مستند حوالے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

۱۔ "معارف" جلد ۱۰۰، شمارہ (اگست ۱۹۶۷) میں بھی ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کا ایک مضمون بعنوان "بریلی کے خاندانِ مفتیان کی شاعری کا مختصر جائزہ" شایع ہوا ہے۔ اِس مضمون میں تلامذۂ غالب میں سے صرف احسن اور سید کا ذکر کیا گیا ہے۔

(ج)

(۱) "معارف" جلد ۲۶، شمارہ ۴ (اکتوبر ۱۹۳۰ء) میں سید مقبول حسین احمد پوری کا ایک تنقیدی مقالہ "عیشِ مایوسی" شامل ہے۔ اس مضمون میں اختصار مگر جامعیت کے ساتھ غالب کے تصوراتِ امید و بیم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ غالب کے یہاں، ناکامی سے تجدید عمل اور محرومی سے سعیِ حصولِ آرزو کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ وہ مشکل میں آسانی اور موت میں زندگی کا عکس دیکھتے ہیں۔ ان کے اس رویے کو صاحبِ مضمون نے "عیشِ مایوسی" کا نام دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "مرزا صاحب ناکامی میں کامیابی کے جویا ہیں۔ شکست میں ان کو فتح نظر آتی ہے۔ رنج و غم سے ان کو فتح حاصل ہوتی ہے اور منتہائے مایوسی ان کے نزدیک عیش و عشرت کی منزل ہے۔۔۔ یہی وہ فلسفہ ہے جس کو افادیات کی تحت میں عیشِ مابوسی کہنا زیادہ مناسب ہے"۔ (ص ۲۸۱)

(۲) "معارف" جلد ۹۲، شمارہ ۴ اور ۵ (اکتوبر، نومبر ۱۹۶۳ء) میں "موازنۂ اقبال و غالب" کے عنوان سے جناب عبدالمغنی لکچرر شعبۂ انگریزی، پٹنہ کالج کا ایک مضمون دو قسطوں میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ صاحب مضمون نے سب سے پہلے تو یہ بتایا ہے کہ اقبال اردو شعراء میں سب سے زیادہ غالب سے متاثر تھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ انہوں نے مشرق و مغرب کی بہت سی شخصیات اور تصورات و نظریات سے اثر قبول کیا، لیکن "یہ سارے علوم و اشخاص اقبال کے فکری و فنی مقصود کے محض وسائل ہیں۔ بجائے خود ان میں سے کوئی بھی مقصود نہیں، حتیٰ کہ رومی بھی نہیں"۔ (ص ۲۹۱)

اس کے بعد صاحب مضمون نے اقبال و غالب کی مماثلتیں بیان کی ہیں، جن میں شوخیِ اندیشہ ، رفعتِ خیال ، ندرتِ فکر، شوکتِ اسلوب ، آتشِ نوائی وغیرہ شامل ہیں۔ پھر لکھتے ہیں " یہاں پہنچ کر دونوں کی مماثلت کی حدیں ختم ہوجاتی ہیں . . . قدرت نے شعری کارنامے کی استعداد دونوں کو یکساں عطا کی تھی ، لیکن اس استعداد کی تکمیل دونوں کے یہاں قطعی مختلف انداز میں ہوئی "۔ (ص ۲۹۴)

جناب عبدالمغنی نے اقبال و غالب کی فکر کا موازنہ کرتے ہوئے دو لفظوں ، یقین اور تشکیک سے ان کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ غالب کے ذہنی رویوں پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں: "غالب اپنی فکری توانائیوں کے باوجود زندگی کا کوئی واضح تصور نہیں رکھتے تھے . . . ان کا شعور اجتماعی درد سے خالی تھا، سنجیدہ اور ہموار تفکر ان کے یہاں نہیں ملتا ، ان کے کلام میں تحریکِ عمل مفقود ہے"۔ (۲۹۸)

بعد ازاں فاضل مقالہ نگار نے فکر و فلسفہ کی مختلف جہتوں اور شعری محاسن کے حوالے سے غالب پر اقبال کو فوقیت دی ہے۔

یہاں ہمیں صرف اسی قدر عرض کرنا ہے کہ مقالہ نگار موصوف نے اگرچہ نہایت عرق ریزی اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے لیکن غالب کے سلسلے میں ان کی بعض آراء ہمدردانہ نظرِ ثانی کی متقاضی ہیں۔ مثلاً یہی بات کہ " ان کے کلام میں تحریک عمل مفقود ہے"۔

(د)

(۱) " معارف " جلد ۱۰۳ ، شمارہ ۲ ، ۳ ، ۴ اور ۵ (فروری ، مارچ، اپریل، مئی ۱۹۶۹ء) میں مدیر معارف ، سید صباح الدین

عبدالرحمٰن کا ایک طویل مقالہ "غالب مدح و قدح کی روشنی میں" شایع ہوا ہے-۱ بعد ازاں یہ مقالہ ترامیم اور اضافوں کے ساتھ ۱۹۷۷ء میں، سلسلہ مطبوعات دارالمصنفین کے تحت اعظم گڑھ سے کتابی صورت میں منظرِ عام پر آیا۔

مذکورہ مقالے میں بڑی خوبی کے ساتھ غالب پر لکھی جانے والی مخالفانہ اور موافقانہ تحریروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ حسب ضرورت اقتباسات بھی درج کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ مقالہ، غالبیات کے تقریباً سو سالہ سفر کی روداد پیش کرتا ہے۔ اِس کی سب سے بڑی افادیت اور انفرادیت بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعے مذکورہ موضوع پر زمانی ترتیب کے ساتھ سارا لوازمہ فراہم ہو جاتا ہے۔

اس مقالے کے ذریعے، ہمیں غالبیات کے ضمن میں مقالہ نگار کا انفرادی نقطۂ نظر جاننے کا موقع بھی ملتا ہے، جس کے اظہار میں انھوں نے کسی مصلحت سے کام نہیں لیا۔ اُن کے اندازِ تنقید کی ایک جھلک، ہم نسخۂ حمیدیہ کے ضمن میں دیکھ چکے ہیں۔ کلام غالب پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی مشہور تحریر "محاسنِ کلامِ غالب" پر اظہار رائے کا آغاز کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> "تحریر کی اِسی قسم کی آن بان سے پڑھنے والا دبتا چلا جاتا ہے اور اُس کو یہ غور کرنے کا موقع نہیں ملتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، بلکہ وہ اِسی میں کھویا رہتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، کس شان و شکوہ سے کہہ رہے ہیں۔ لیکن جب وہ ٹھہر کر

۱- یہ مقالہ اخبار حمایت الاسلام، لاہور، ۴ مارچ ۱۹۶۹ء میں بھی شایع ہوچکا ہے۔

غور کرتا ہے تو پھر اُن کی پر شکوہ تحریروں کے بار سے ہلکا ہوکر یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اُن کی بعض باتوں میں حقیقت سے زیادہ عقیدت کو دخل ہے۔"۱

(۲) غالبیات پر تحقیقی و تنقیدی تحریروں اور جائزوں کے ساتھ ساتھ "معارف" میں تازہ مطبوعات پر تبصروں کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔ یہ تبصرے اگرچہ عام طور پر مختصر اور سرسری ہی ہیں، مگر پھر بھی تعارفِ کتب کے ضمن ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ "معارف" کے مختلف شماروں میں غالب سے متعلق جن کتابوں پر تبصرے کیے گئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اس نامکمل فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ "معارف" کو اپنی ابتدا ہی سے "غالبیات" کا موضوع پسندِ خاطر ہے۔ تفصیل ملاحظہ کیجیے:

۱- شرح دیوان غالب حسرت موہانی (جلد ۱، شمارہ ۵)۔
۲- دیوان غالب نسخۂ بیدل شاہجہان پوری (جلد ۴، شمارہ ۴)۔
۳- دیوان غالب پر منوہر لال کے انگریزی تبصرے پر سلیمان ندوی کا تبصرہ (جلد ۶، شمارہ ۲)۔
۴- شرح غالب شوکت میرٹھی (شذرات: جلد ۱۱، شمارہ ۱۰)۔
۵- غالب کا روز نامچۂ غدر حسن نظامی (جلد ۱۱، شمارہ ۱۰)۔
۶- مطالب الغالب از سہا (جلد ۱۲، شمارہ ۱)۔
۷- شرح از عبدالباری آسی (جلد ۱۳، شمارہ ۴)۔
۸- غالب (انگریزی) ڈاکٹر عبداللطیف (جلد ۲۳، شمارہ ۱)۔

۱- معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۰۳، شمارہ ۵، صفحہ ۳۴۰۔

۹- خطوط غالب (جلد ۲۵، شمارہ ٦) -
۱۰- مومن و غالب از حکیم سید اعجاز احمد (جلد ۳۱، شمارہ ۲)-
۱۱- غالب از ڈاکٹر عبداللطیف ترجمہ از معین الدین قریشی (جلد ۳۳، شمارہ ۵) -
۱۲- رموز کلام غالب از محمد اسحاق امرتسری (جلد ۳۵، شمارہ ۳)-
۱۳- غالب از غلام رسول مہر (جلد ۳۸، شمارہ ٦) -
۱۴- منتخب دیوان غالب مع شرح از مولوی نوراللہ (جلد ۴۱، شمارہ ۱) -
۱۵- غالب نامہ از شیخ اکرام (جلد ۴۱، شمارہ ۲) -
۱٦- مکاتیب غالب مرتبہ امتیاز علی عرشی (جلد ۴۱، شمارہ ۵) -
۱۷- سبد چین مرتبہ مالک رام (جلد ۴۲، شمارہ ۴) -
۱۸- ذکر غالب از مالک رام (جلد ۴۲، شمارہ ۵) -
۱۹- قتیل اور غالب از سید اسد علی (جلد ۴۴، شمارہ ٦)-
۲۰- شرح غالب از نظم طباطبائی (جلد ۴۷، شمارہ ۱) -
۲۱- ذکر غالب از مالک رام (جلد ٦۷، شمارہ ٦) -
۲۲- شرح دیوان غالب از یوسف سلیم چشتی (جلد ۸۳، شمارہ ٦)-
۲۳- غالب فکر و فن از شوکت سبزواری (جلد ۹۲، شمارہ ۲) -
۲۴- مختلف رسالوں (فروغ اردو، نیا دور، جامعہ، آج کل) کے غالب نمبروں پر تبصرہ (جلد ۱۰۳، شمارہ ۵) -
۲۵- مختلف رسالوں (شاعر، اردو ادب، علم و فن، تحریک) کے غالب نمبر (جلد ۱۰۳، شمارہ ٦) -

اس مختصر جائزے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ "معارف" میں موجود غالبیات کا سرمایہ، کیفیت اور کمیت دونوں کے لحاظ سے

قابل اعتنا ہے۔ اس ذخیرے میں ایسے مباحث موجود ہیں جن کے آغاز کا سہرا بھی "معارف" ہی کے سر ہے اور ان کی وجہ سے محققین کے لیے بھی تحقیق و جستجو کے نئے در وا ہوئے ہیں۔ "معارف" کے مقالہ نگاروں نے نہایت دقتِ نظر سے غالب کی زندگی اور کلام کا مطالعہ کیا ہے اور آنے والوں کے لیے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ غالبیات سے "معارف" کی دل چسپی وقتی یا عارضی نہیں ہے بلکہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

کتابیات

۱۔ خلیق انجم: "غالب کی نادر تحریریں"، طبع اول، دہلی، مکتبہ شاہراہ، ۱۹۶۱ء۔

۲۔ خلیق انجم: "غالب اور شاہانِ تیموریہ"، طبع اول، دہلی، مکتبہ جامعہ، دسمبر ۱۹۷۴ء۔

۳۔ سرفراز علی رضوی: "ماخذات احوال شعراء و مشاہیر"، جلد اول، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۸ء۔

۴۔ سری رام، لالہ: "خم خانۂ جاوید"، طبع اول، لاہور، مطبع نول کشور ۱۹۰۸ء۔

۵۔ سکسینہ، رام بابو: "یوروپیئن اینڈ انڈو یوروپیئن پوئٹس آف اردو اینڈ پرشین" (انگریزی)، لاہور، بک ٹریڈرز، سنہ ندارد۔

۶۔ شفقت رضوی، ڈاکٹر: "یوروپیئن شعرائے اردو"، طبع اول، کراچی، ۱۹۷۰ء۔

۷۔ صباح الدین عبدالرحمان، سید: "غالب مدح و قدح کی روشنی میں"، طبع اول، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۷۷ء۔

۸۔ عبدالماجد دریابادی، مولانا: "انشائے ماجد"، لاہور، ۱۹۰۰ء۔

۹- عروج ، عبدالرؤف : بزم غالب ، کراچی، ادارہ یادگار غالب، ۱۹۶۹ء-
۱۰- غالب، اسداللہ خاں : اردوے معلیٰ ، لاہور ، شیخ مبارک علی اینڈ سنز ، سنہ ندارد۔
۱۱- ایضاً : "دیوان غالب ، نسخۂ حمیدیہ"، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۹ء-
۱۲- مالک رام : "تلامذۂ غالب"، دھلی، ۱۹۵۷ء-
۱۳- ایضاً: "ذکر غالب"، طبع دوم ، دھلی، مکتبہ جامعہ ، ۱۹۵۰ء-
۱۴- ایضاً : "فسانۂ غالب"، لاہور ، مکتبہ شعر و ادب، سنہ ندارد۔
۱۵- معین الرحمان، سید : "اشاریۂ غالب"، طبع اول، لاہور ، ادارہ یادگار غالب، ۱۹۶۹ء-
۱۶- مہر، غلام رسول : "خطوط غالب"، طبع پنجم ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۸۳ء-
۱۷- ایضاً ، "غالب"، طبع چہارم ، لاہور، شیخ مبارک علی تاجر کتب، دسمبر ۱۹۳۶ء-
۱۸- وحید قریشی، ڈاکٹر: "نذر غالب"، طبع دوم ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ، ۱۹۷۰ء-

رسائل

۱- خدابخش لائبریری جرنل ، پٹنہ ، نمبر ۲۰، ۱۹۸۲ء-
۲- زمانہ ، کان پور، جولائی ۱۹۳۰ء-
۳- صحیفہ ، لاہور، غالب نمبر حصہ اول، ۱۹۶۹ء-
۴- قومی زبان، کراچی، اپریل ۱۹۸۷ء-
۵- معارف، اعظم گڑھ ، ابتدا تاحال۔
۶- نقوش ، لاہور، دسمبر ۱۹۵۹ء-